مرزا بشیر الدین محمود احمد اور مولوی محمد علی قادیانی

کے تراجم قرآن کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

حکیم محمود احمد ظفر

سیالکوٹ

جب سے اردو زبان کا ہندوستان میں چلن ہوا ہے اسی وقت سے قرآن حکیم کے اردو زبان میں تراجم ہونا شروع ہو گئے۔ چنانچہ اٹھارویں صدی میں شاہ مراد اللہ انصاریؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے تراجم خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ انیسویں صدی میں بے شمار لوگوں نے قرآن حکیم کے ترجمے کیے جن میں شاہ رؤف احمد رافتؒ، نواب قطب الدین بہادر دہلویؒ، قاضی محمد صبغت اللہؒ، سرسید احمد خان، مولانا محمد احتشام الدین مراد آبادی، مولانا فخر الدین احمد قادری فرنگی محلی، مولانا عبدالحق حقانی، حکیم سید محمد حسن امروہی، مولانا فتح محمد تائب لکھنوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا امیر علی ملیح آبادی، ڈپٹی حافظ نذیر احمد دہلوی، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالی اور مولانا فتح محمد جالندھری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ پھر بیسویں صدی میں مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا وحید الزمان، مولانا انشاء اللہ، مرزا حیرت دہلوی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولوی محمد علی ایم۔ اے، خواجہ حسن نظامی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید عبدالدائم جلالی، مولانا فیروز الدین، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور مولانا سعید دہلوی کے تراجم مشہور ہوے۔ انیسویں صدی ہی میں دو قادیانی حضرات نے بھی قرآن حکیم کے ترجمے کیے اور اس کی تفسیر بھی لکھی۔ ان میں ایک مرزا بشیر الدین محمود احمد قادیانی ہے جس نے نہ صرف ترجمہ قرآن کیا بلکہ اس کے ساتھ دو

تفاسیر بھی لکھیں۔ ایک کا نام تفسیر کبیر ہے جو دس جلدوں پر مشتمل ہے اور دوسری کا نام تفسیر صغیر ہے جو ایک جلد میں حواشی کی شکل میں ہے۔ دوسرا ترجمۂ قرآن مولوی محمد علی ایم اے کا ہے جس کے ساتھ اس کی تفسیر ''بیان القرآن'' کے نام سے چھپی ہے۔ مولوی محمد علی ایم اے تو پڑھا لکھا آدمی تھا۔ وہ ان شخصیات میں سے تھا جنہوں نے انگریزی تعلیم کیمبرج میں حاصل کی تھی چنانچہ اس نے قرآن حکیم کا انگریزی زبان میں بھی عنفوان شباب میں ترجمہ کیا۔ اور یہ ترجمہ ہندوستان میں انگریزی زبان کا سب سے پہلا ترجمہ ادبی حلقوں میں بہت مقبول ہوا۔ مولوی محمد علی انگریزی زبان کے علاوہ عربی زبان سے بھی بخوبی آشنا تھا اس وجہ سے اس نے نہ صرف قرآن حکیم کا اردو زبان میں ترجمہ کیا بلکہ بخاری کا ترجمہ بھی اردو زبان میں کیا جو عوام میں تو نہیں، البتہ ان کی اپنی جماعت میں نہایت مقبول ہوا۔

مولوی محمد علی ایم اے مرزائیوں کی لاہوری جماعت کے امیر تھے اور 1914ء تک یہ بھی مرزا غلام احمد کو اسی طرح اور انہی معنوں میں نبی مانتے تھے جن معنوں میں قادیانی شاخ نبی مانتی ہے۔ لیکن سنہ 1914ء میں جب مرزا غلام احمد قادیانی کے پہلے خلیفہ حکیم نور الدین بھیروی کا انتقال ہوا تو اس کے بعد خلیفہ ثانی کے لیے دو امیدوار تھے۔ ایک مرزا بشیر الدین محمود احمد اور دوسرے مولوی محمد علی ایم اے۔ مرزا بشیر الدین کے مقابلہ میں مولوی محمد علی پختہ کار بھی تھا اور صاحب علم بھی اور اس وقت اس نے قرآن حکیم کے کافی حصہ کا انگریزی زبان میں ترجمہ بھی کر لیا ہوا تھا۔ جبکہ مرزا بشیر الدین میں مولوی محمد علی کے مقابلہ میں نہ تو وہ پختہ کاری تھی اور نہ ہی وہ صاحب علم تھا۔ اس کی صرف ایک خصوصیت تھی کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کا سب سے بڑا بیٹا تھا اور مرزا کے الہام کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کی بشارت سے پیدا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے اسے بشیر الدین کہتے تھے۔ اصل نام اس کا محمود احمد تھا۔ چنانچہ مرزا قادیانی کا بیٹا ہونے کی وجہ سے قادیانیوں کی اکثریت نے اسی کو خلیفہ ثانی مقرر کر دیا۔ چنانچہ مولوی محمد علی مرزا بشیر الدین کے اس انتخاب سے ناراض ہو کر لاہور آ گئے اور انجمن احمدیہ اشاعت اسلام کے نام سے ایک جماعت، جو قادیانیوں میں سے ان کے ہم خیال تھی، بنا کر مرزائیت کی تبلیغ کرتے رہے۔ اس کا انتقال 1951ء میں ہوا۔ اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا دفتر برانڈرتھ لاہور میں ہے اور اسی جگہ پر 1908ء

میں مرزا غلام احمد قادیانی کا انتقال ہوا تھا.

مرزا بشیر الدین اور مولوی محمد علی دونوں کا تعلق چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی سے ہے اور ان دونوں کی تعلیم و تربیت قادیان میں مرزا غلام احمد کے ہاں ہوئی ہے، لہٰذا 1914ء سے قبل ان دونوں کے عقیدے ایک جیسے تھے، یعنی دونوں ہی مرزا غلام احمد کو نبی مانتے تھے، لیکن 1914ء کے بعد ذاتی اختلاف کی وجہ سے جب مولوی محمد علی لاہور آ گئے تو اب انہوں نے اپنے عقیدے میں تھوڑی سی تبدیلی کی۔ وہ تبدیلی بڑی عجیب اور ناقابل فہم ہے۔ مرزا غلام احمد کی تحریروں سے یہ بات قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ وہ نبوت کا مدعی ہے اور اس کے دعوی کے مطابق جو اس پر ایمان نہ لائے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ مرزا کی کتابیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ان کا مصنف مدعی نبوت ہے، صاحب وحی ہے، صاحب امر و نہی ہے اور صاحب شریعت ہے۔ لیکن مولوی محمد علی مرزا صاحب کی اپنے خیال میں ان کی دینی خدمات اور کارناموں کی آبرو کو بچانا چاہتے ہیں اور دراصل وہ اپنے شعوری اور غیر شعوری طریقہ پر اپنے قلبی تعلق اور اس سے دینی عقیدت کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔ گویا سرور بارہ بنکوی کی زبان میں۔

زندگی نذر حرم تو ہو چکی لیکن سرور
ہے عقیدت کا وہی عالم صنم خانوں کے ساتھ

چنانچہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے کہیں اصطلاحی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں جہاں جہاں بھی نبوت، وحی اور مسلمانوں کی تکفیر وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ان کی تاویل یہ کی ہے کہ وہ صوفیانہ اصطلاحات اور مجازات و استعارات ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد علی مرزا صاحب کو اصطلاحی نبی نہیں مانتے، بلکہ چودھویں صدی کا مجدد اعظم اور مصلح اکبر اور اس سے بڑھ کر مسیح موعود مانتے ہیں اور اس نقطہ پر دونوں شاخوں کا اجتماع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کافۃ الناس کی طرف مبعوث ہو گئے۔ اور جن کا زمانۂ نبوت قیامت تک ممتد ہے۔ کسی دوسرے رسول یا نبی کا محتاج اپنے آپ کو سمجھنا اس نعمت کبریٰ کی

ناشکر گزاری ہے۔ پس حدیث میں جو ابن مریم کے آنے کی پیش گوئی ہے اس کے معنی صرف یہی ہو سکتے ہیں کہ اس امت میں سے کوئی شخص ابن مریم کے رنگ میں آ جائے جس طرح الیاس کے دوبارہ آنے کی پیش گوئی یوں پوری ہوئی کہ حضرت یحییٰ الیاس کے رنگ میں آ گئے۔ حضرت عیسیٰ کو قرآن حکیم کی یہ تصریح امت محمدیہ میں آنے سے روکتی ہے۔''

(تفسیر بیان القرآن: ۱/ ۳۱۷)

مرزا قادیان کے لیے مسیح موعود کا لقب انہوں نے اپنی کتاب ''النبوۃ فی الاسلام'' میں کئی جگہ استعمال کیا ہے اور خود ان کی تفسیر بیان القرآن میں بھی کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔

(الف) ترجمہ قرآن کا عقائد سے تعلق:

ترجمہ قرآن کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا تعلق عقائد سے بھی ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص پہلے ایک عقیدہ اپنے ذہن میں قائم کر لے اور پھر قرآن کا مطالعہ کر لے تو اس کو جو آیت بھی اپنے عقیدہ کے خلاف نظر آئے گی یا تو وہ اس کی تاویل کرے گا یا اس آیت کے ترجمہ میں تحریف کا مرتکب ہوگا۔ اس کی مثالیں ہمیں سرسید کے ترجمہ قرآن اور مرزا غلام احمد کے کئی آیات قرآنیہ کے ترجمہ میں ملتی ہیں، جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

(1) ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عابد کامل جب فنا فی اللہ ہو جاتا ہے تو اسے رب العالمین کی صفات عطاء کی جاتی ہیں۔ (اعجاز المسیح: ص ۱۹، روحانی خزائن: ۱۸/ ۱۲۳)

(2) ''مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ'' میں ''یوم الدین'' سے مراد مسیح موعود کا زمانہ ہے۔ (روحانی خزائن: ۱۸/ ۴۱۴۔۱۴۵)

(3) سورۃ القیامۃ کی آیت ''وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ'' سے چاند گرہن اور سورج گرہن مراد ہے جو مرزا صاحب کے زمانہ میں واقع ہوا۔

(نور الحق: ۲/ ۱۷، روحانی خزائن: ۸/ ۱۹۴)

(4) یاجوج ماجوج سے مراد انگریز اور روس ہیں۔ (ازالہ اوہام: ص ۵۰۲، روحانی خزائن: ۲۱/ ۳۶۹)

(5) تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے۔ مکہ اور مدینہ اور قادیان۔ (ازالہ اوہام حاشیہ: ص ۷۷، روحانی خزائن: ۳/ ۱۴۰)

(6) قرآن شریف بضرب دہل فرمارہا ہے کہ عیسیٰ بن مریم رسول اللہ زمین میں دفن کیا گیا ہے۔ (تحفہ گولڑویہ: ص ۴۶، روحانی خزائن: ۱۵/ ۱۵۶)

(ب) مرزا بشیر الدین کا ترجمہ قرآن اور تفسیر صغیر:

مرزا بشیر الدین نے اپنے آبا کے عقائد اور دعاوی کو درست ثابت کرنے کے لیے قرآن حکیم کا ترجمہ کیا اور ترجمہ کرتے وقت نہ تو اس نے قرآن حکیم کی دوسری آیات کا لحاظ رکھا اور نہ ہی حدیث اور اقوال صحابہ و تابعین کا اور نہ ہی لغت عرب اور اس کی گرامر کا جس کو آپ مندرجہ ذیل آیات میں ملاحظہ فرمائیں گے:

(1) قرآن حکیم میں ہے "وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ" کا ترجمہ کیا ہے کہ "آئندہ ہونے والی (موعود باتوں) پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

(2) وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوْا لِآدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِيْسَ (البقرہ: ۳۴)

مرزا بشیر الدین نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے

(اور اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کی فرمان برداری کرو اس پر انہوں نے فرمان برداری کی مگر ابلیس (نے نہ کی)

جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدہ میں گر پڑے مگر ابلیس نے انکار کیا۔

اس آیت میں سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا آدم علیہ السلام بطور قبلہ کے تھے۔ اس کا معنی فرمان برداری درست نہیں ہے۔ (دیکھیے تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۷۷)

(3) وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ [72:2]

(اور اس وقت کو بھی یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کرنے کا دعویٰ کیا، پھر تم نے اس کے بارے میں اختلاف کیا حالانکہ جو (کچھ) تم چھپاتے تھے، اللہ اسے ظاہر کرنے والا تھا۔ (تفسیر صغیر: ص ۱۸)

اس آیت میں "واذقتلتم" کا ترجمہ غلط کیا گیا ہے، اس کا صحیح ترجمہ "اور جب تم نے قتل کیا۔" یہ ترجمہ کہ "اور جب تم نے قتل کرنے کا دعویٰ کیا" درست نہیں ہے۔

(4) تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَت (البقرۃ:۱۳۵، ۱۴۲)

"یہ وہ جماعت ہے جو (اپنا زمانہ پورا کر کے) فوت ہو چکی ہے۔" (تفسیر صغیر: ص ۳۹، ۴۰)

یہ ترجمہ عربی لغت کے خلاف ہے کیونکہ خَلَا یَخْلُوْ خَلْوا کا مَاتَ یموت موتاً سے کرنا لغت عرب کے خلاف ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قادیانیوں کے علاوہ اور کسی مترجم نے یہ ترجمہ نہیں کیا۔ قادیانی یہ ترجمہ کر کے سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

(5) عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَ عَفَا عَنْکُم (البقرہ:۱۸۷)

"اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنے نفسوں کی حق تلفی کرتے تھے، اس لیے اس نے تم پر فضل سے توجہ کی اور تمہاری (اس حالت کی) اصلاح کر دی۔" (تفسیر صغیر: ص ۴۰، ۴۱)

اس آیت میں "تختانون انفسکم" اور "وعفاعنکم" کے ترجمہ میں تحریف کی گئی ہے۔

اختیان کا صحیح معنی ہے خیانت کرنا، حق تلفی کرنا نہیں ہے۔ اور "عفاعنکم" کے دو معنی ہیں گنجائش دینا اور گناہ معاف کرنا۔ اصلاح کرنا اس کا معنی ہرگز نہیں۔

(6) اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ وَّ ھِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہ (البقرہ:۲۵۹)

"اس پر اللہ نے اسے سو سال (تک خواب میں) مارے رکھا پھر اسے

اٹھایا۔'' (تفسیر صغیر: ص ۶۹)

مرزا بشیر الدین کا یہ ترجمہ غلط ہے۔ یہ عالم بیداری کا ایک واقعہ ہے جس کو انہوں نے خواب کا واقعہ بنا دیا۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ نے بھی اس ترجمہ کے غلط ہونے کی تردید کی ہے۔ چنانچہ مقالہ نگار نے لکھا ہے:

''قرآن مجید نے یہ قصہ ایک حقیقی واقعہ کی حیثیت سے بیان کیا ہے۔ اسے مجاز یا مکاشفہ کا رنگ دینا درست نہیں۔ مشہور قول کے مطابق یہ واقعہ حضرت عزیر کے ساتھ پیش آیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر دمشق میں ہے۔''

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور: ۱۳/ ۳۲۸)

(7) قرآن حکیم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ایک واقعہ ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا. (البقرہ: ۲۶۰)

''اور (اس واقعہ کو بھی یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ اے میرے رب! مجھے بتا کہ تو مردے کس طرح زندہ کرتا ہے..... فرمایا: اچھا تو چار پرندے لے اور ان کو اپنے ساتھ سدھا لے۔ پھر ہر ایک پہاڑ پر ان میں سے ایک (ایک) حصہ رکھ دے۔ پھر انہیں بلا، وہ تیری طرف تیزی سے چلے آئیں گے۔'' (تفسیر صغیر: ص ۷۰۔۷۱)

اس ترجمہ میں مرزا بشیر الدین نے تحریف کی ہے۔ "فصرھن الیک" کا ترجمہ کیا ''اور ان کو اپنے ساتھ سدھا لے۔'' اور "یاتینک سعیاً" کا ترجمہ کیا ''وہ تیری طرف تیزی کے ساتھ چلے آئیں۔ اگر یہ ترجمہ درست مان لیا جائے تو یہ احیاء موتی کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ سوال سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا احیاء موتی کی کیفیت کے بارے میں تھا، اور سدھائے ہوئے پرندوں کو اپنے پاس بلا لینا احیاء موتی کی کیفیت بیان کرنے

سے قاصر ہے۔لہٰذا "فصرهن اليك" کا ترجمہ ہے "چار جانور پکڑ وا کر اپنے پاس منگوالو اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کرا دو پھر ہر ٹکڑا کو ہر ایک پہاڑ پر رکھو اور پھر ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے۔"
چنانچہ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں "فصرهن" سے "فَقَطِّعْهِنَّ" مراد ہے۔

اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور ان کے گوشت، پروں اور خون وغیرہ کو باہم ملا دیا۔ پھر انہیں بلایا تو وہ دوڑتے ان کے پاس چلے آئے۔ (تفسیر کبیر: ۷/۴۵)

(8) سورۃ آل عمران میں ہے:

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِيْ وَ ارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (آل عمران:۴۳)

"اے مریم! تو اپنے رب کی فرمان بردار بن اور سجدہ کر اور صرف موحدانہ پرستش کرنے والوں کے ساتھ مل کر موحدانہ پرستش کر۔" (تفسیر صغیر: ص۸۵)

مرزا محمود نے اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے کہ "رکع" کے معنی توحید کے مطابق عبادت کرنے ہیں، اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ موحدانہ پرستش کر۔

معلوم نہیں دنیا کے کس لغت میں رکوع کے معنی موحدانہ پرستش کے ہیں (ملاحظہ ہو المفردات فی علوم القرآن: ص۲۰۲، المنجد اور دیگر لغات عرب) اور تمام مفسرین نے بھی رکوع کے معنی نماز والا رکوع کیا ہے۔

(9) سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں قرآن حکیم میں ہے:

وَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا (آل عمران:۴۶)

"اور پنگھوڑے یعنی چھوٹی عمر میں بھی لوگوں سے باتیں کرے گا اور ادھیڑ عمر کی حالت میں بھی۔" (تفسیر صغیر: ص۸۵)

"مهد" کے اہل عرب کے ہاں دو مطلب ہیں:

(1) ماں کی گود

(2) بچے کے دودھ پینے کا زمانہ

ان میں سے جو معنی بھی مراد لیا جائے، اس سے آیت کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ماں کی گود میں لوگوں سے گفتگو فرماتے تھے۔ اور سورہ مریم آیت نمبر 28 میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ مریم ان کو اٹھا کر (تَحْمِلُهُ) قوم کے پاس لے کر گئیں اور انہوں نے قوم سے باتیں کیں اور اپنی والدہ کی بریت فرمائی۔ مرزا بشیر الدین نے وہاں بھی ''تحملہ'' کا ترجمہ غلط کیا ہے کہ ''وہ ان کو لے کر اپنی قوم کے پاس سوار کرا کر لائیں۔'' (تفسیر صغیر: ص ۳۸۶)

(10) اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَىَّ (آل عمران: ۵۵)

اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''اے عیسیٰ! میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اٹھالوں گا۔'' لیکن مرزا بشیر الدین نے اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے:

''(اس وقت کو یاد کرو) جب اللہ نے کہا: ''اے عیسیٰ! میں تجھے (طبعی طور پر) وفات دوں گا اور تجھے اپنے حضور میں عزت بخشوں گا۔'' (تفسیر صغیر: ص ۸۷)

اس آیت میں مرزا بشیر الدین نے ''**متوفیک**'' کا اور ''**رافعک الی**'' کا ترجمہ درست نہیں کیا۔ ''**متوفیک**'' کا درست اور صحیح معنی ہے ''میں تجھے پورا پورا (یعنی جسد مع الروح) وصول کروں گا، جب کہ مرزا بشیر نے اس کا معنی کیا ہے کہ ''میں تجھے طبعی طور پر وفات دوں گا''۔ اور ''**رافعک الی**'' کا صحیح ترجمہ ہے ''میں تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا'' اور بشیر الدین نے تحریف کر کے اس کا معنی کیا ہے ''میں تجھے اپنے حضور میں عزت بخشوں گا۔''

حیات عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفع الی السماء کی تفصیل اور ''**متوفیک**'' اور ''**رافعک الی**'' کے معنوں کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''عقیدۃ اھل الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام۔''

(11) **وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ** (آل عمران: ۱۱۲)

اور بلا وجہ نبیوں کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ (تفسیر صغیر: ص ۹۴)

اپنے اس ترجمہ کے حاشیہ میں مرزا بشیر الدین نے لکھا ہے:

''قرآن کریم میں ''یقتلون الانبیاء'' کے الفاظ ہیں، اور بنی اسرائیل نے سب انبیاء کو قتل نہیں کیا، مگر چونکہ قتل کا لفظ کوشش قتل کے لیے بھی آتا ہے، ہم نے واقعات کے مطابق قتل کرنے کی کوشش ترجمہ کیا ہے۔''

مرزا بشیر الدین کو معلوم ہونا چاہیے کہ ''الانبیـــاء'' پر الف لام استغراق کا نہیں بلکہ عہد کا ہے، لہٰذا مرزا بشیر کا یہ ترجمہ اور حاشیہ غلط ہے۔

(12) وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُل (آل عمران:۱۴۴)

اور محمد صرف ایک رسول ہے اور اس سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ (تفسیر صغیر: ص ۹۸)

اس آیت میں مرزا بشیر الدین نے ''قَدْ خَلَتْ'' کا معنی کیا ہے ''فوت ہو چکے ہیں''، جو کہ بالکل غلط ہے۔ یہ ترجمہ صرف سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے عقیدہ کو تقویت دینے کے لیے ہے۔ خلت کا معنی فوت ہونا نہیں ہے۔ یہ کسی مستند لغت میں معنی نہیں لکھا ہوا۔ خود مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی ''خلت'' کا معنی موت نہیں کیا، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''وَمَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ میں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ وہ صرف ایک رسول ہے اور اس سے پہلے بھی رسول ہی آتے رہے ہیں۔''

(جنت مقدس: ص ۷، روحانی خزائن: ۱۴/۸۹)

(13) وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ (النساء:۶۹)

''اور جو (لوگ بھی) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں۔''

(تفسیر صغیر: ص ۱۱۹۔۱۲۰)

اس آیت میں مرزا بشیر الدین نے ''مع'' کو ''من'' کے معنی میں لیا ہے۔ یہ معنی لغت اور چودہ سو

سال کے مفسرین کے معنوں کے خلاف ہے۔

(14) وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْه (النسآء:۱۵۸)

''اورانہوں نے ہرگز اسے قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے اسے اپنے حضور رفعت بخشی۔''

رفع کا معنی مرزا بشیر نے یہاں رفعت بخشنا لکھا ہے جو کہ غلط ہے جب کہ قادیانی خلیفہ اول حکیم نورالدین نے اس کا معنی اٹھانا لکھا ہے۔

''بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا۔'' (فصل الخطاب:ص۳۱۴ حاشیہ)

(15) وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِه (النسآء:۱۵۹)

''اور اہل کتاب میں سے ایک بھی نہیں جو اس (واقعہ) پر اپنی موت سے پہلے ایمان نہ لاتا رہے۔'' (تفسیر صغیر:ص۱۳۶)

اس آیت میں ''بہ'' کی ضمیر کا مرجع واقعہ صلیب کو قرار دیا ہے، جو سیاق وسباق اور اصول تفسیر کے اعتبار سے درست نہیں ہے۔ یہاں پر دونوں ضمیروں کا مرجع سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہے۔

(16) فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ (المائدہ:۱۱۷)

''مگر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگران تھا۔ (میں نہ تھا) تو ہر چیز پر قادر ہے۔'' (تفسیر صغیر:ص۱۶۳)

اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی اور مرزا بشیر الدین نے ''توفّی'' کا معنی ہر جگہ موت لکھا ہے۔ اس معنی کو صحیح ثابت کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک خود ساختہ قاعدہ لکھا ہے کہ

''علم نحو میں صریح یہ قاعدہ مانا گیا ہے کہ ''توفی'' کے لفظ میں جہاں خدا فاعل اور انسان مفعول بہ ہو ہمیشہ اس جگہ توفی کے معنی مارنے اور روح قبض کرنے کے آتے ہیں۔'' (تحفہ گولڑویہ:ص۴۵، روحانی خزائن:۱۷/۱۶۲)

یہ قاعدہ مرزا غلام احمد قادیانی کا خود ساختہ ہے، علم نحو کی کسی کتاب میں یہ قاعدہ مرقوم نہیں۔ باقی قادیانیوں کا یہ دعویٰ کہ جب اللہ فاعل اور انسان مفعول بہ ہو تو توفی کا معنی موت کے علاوہ ممکن ہی نہیں، ان کا یہ دعویٰ قرآن وحدیث کی نصوص کے خلاف ہے۔ قرآن وحدیث میں کئی جگہ اس قاعدہ کے خلاف آیا ہے۔ (ملاحظہ ہو البقرۃ:۲۸۱، آل عمران:۶۵، الانعام:۶۰، النمل:۱۱۱ وغیرہ)

خود مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اپنے اس قاعدہ کے خلاف قرآن کی آیت کے معنی کیے ہیں:

"اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ....."

"یعنی میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔" (براہین احمدیہ: ص۵۲۰، حاشیہ، روحانی خزائن:۱/۶۲۰)

(17) فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ (یوسف:۳۲)

"پس جب انہوں نے اسے دیکھا تو اسے (بہت) بڑی شان کا انسان پایا اور (اسے دیکھ کر حیرت سے) اپنے ہاتھ کاٹے (یعنی انگلیاں دانتوں میں دبا لیں)۔" از حاشیہ (تفسیر صغیر: ص۲۹۳)

مرزا بشیر الدین نے " قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ " کا ترجمہ انگلیاں دانتوں میں دبانا مراد لیا ہے جو کہ غلط ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ان عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔

(18) فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا (یوسف:۹۶)

پس جونہی کہ (یوسفؑ کے مل جانے کی) بشارت دینے والا (شخص حضرت یعقوبؑ کا پاس) آیا اس نے اس (کرتے) کو اس کے سامنے رکھ دیا جس پر وہ ساری بات سمجھ گیا، کہ بصیرا کا غلط ترجمہ ہے۔" (تفسیر صغیر: ص۳۰۴)

(19) فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا (مریم:۲۹)

"اس پر اس نے اس (بچہ) کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر لوگوں نے کہا: ہم اس سے کس طرح بات کریں جو کہ (کل تک) پنگھوڑے میں بیٹھنے والا بچہ

تھا۔'' (تفسیر صغیر: ص ۳۸۶)

جب کہ اس کا درست ترجمہ یہ ہے: ''مریم نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا، وہ بولے کہ ہم اس سے کہ گود کا بچہ ہے کیوں کر بات کریں''

(20) فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (ط:۱۲۱)

''پس ان دونوں نے (یعنی اور اس کے ساتھیوں نے) اس درخت میں سے کچھ کھایا (یعنی اس کا مزہ چکھا) جس پر ان دونوں کی کمزوریاں ان پر کھل گئیں، اور وہ دونوں اپنے اوپر جنت کی زینت کے سامان (یعنی اعمال نیک) لپیٹنے لگ گئے۔'' (تفسیر صغیر: ص ۴۰۶)

مرزا بشیر الدین نے اس ترجمہ میں تین تحریفیں کی ہیں:

1- ''فاکلا'' تثنیہ کا صغیہ ہے لیکن اس نے اس کا فاعل جمع قرار دیا یعنی ''آدم اور اس کے ساتھیوں نے'' حالانکہ ''فاکلا'' کا فاعل صرف دو ہیں، سیدنا آدم اور حوا۔

2- ''سواتھما'' کا ترجمہ کمزوریاں کیا ہے جب کہ درست ترجمہ شرم گاہیں ہیں۔

3- ''ورق الجنة'' کا صحیح ترجمہ ہے جنت کے درخت کے پتے'' مگر اس نے ترجمہ کیا ہے جنت کی زینت کے سامان یعنی اعمال نیک۔

(21) وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا (ج:۷)

''اور ہر چیز کے لیے جو وقت مقرر ہے، وہ ضرور آ کر رہے گا۔'' (تفسیر صغیر: ص ۴۲۳)

جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے ''اور بے شک قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں۔''

(22) حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ (النمل:۱۹)

''یہاں تک کہ وہ وادی نملہ میں پہنچے تو نملہ قوم میں سے ایک شخص نے کہا: اے نملہ قوم! اپنے اپنے گھروں میں چلے جاؤ۔'' (تفسیر صغیر: ص ۴۸۶)

یہاں لفظ نملہ سے مراد چیونٹی ہے، جب کہ مرزا بشیر نے نملہ قوم مراد لی ہے۔ نملہ کا قوم چیونٹی

کے بجائے نملۃ قوم اس لیے کیا تا کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کا یہ معجزہ تسلیم نہ کرنا پڑے۔

(23) وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ (النمل:۹۰)

''اور جو لوگ برے عمل لے کر خدا کی خدمت میں حاضر ہوں گے ان کے سرداروں کو دوزخ میں اوندھا کر کے گرا دیا جائے گا۔'' (تفسیر صغیر: ص ۴۹۵)

جب کہ اس کا درست ترجمہ یہ ہے کہ ''جو شخص برائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔''

(24) وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْهُ وَلَا تَحْنَثْ (ص:۴۴)

''اس کا درست ترجمہ یہ ہے کہ ''اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اور اس سے مار دو اور قسم نہ توڑو۔''

لیکن مرزا بشیر الدین نے اس کا نہایت عجیب و غریب ترجمہ کیا ہے:

''اور (ایوب سے کہا کہ) اپنے ہاتھ میں ایک کھجور کی گچھے دار ٹہنی پکڑ لے اور اس کی مدد سے تیزی کے ساتھ سفر کر (یعنی اس سے مار مار کر سواری کے جانور کو دوڑا) اور حق سے باطل کی طرف مائل نہ ہو۔''

اس آیت کے سیاق و سباق میں کہیں بھی گھڑ سواری اور سواری کو مارنے کا کوئی حکم نہیں۔ معلوم نہیں یہ ترجمہ مرزا بشیر الدین نے کہاں سے بیان کر دیا۔

(25) وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا (زخرف:۶۱)

''اور وہ (یعنی قرآن) آخری گھڑی کا علم بخشتا ہے پس تم ساعت کے متعلق شبہ نہ کرو۔'' (تفسیر صغیر: ص ۶۵۱)

جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی نشانی ہے (تو کہہ دو کہ لوگو!) اس میں شک نہ کرو''

اس آیت کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح کا اول مرتبہ آنا تو خاص بنی اسرائیل کے لیے ایک نشان تھا کہ بدوں باپ کے پیدا ہوئے اور عجیب وغریب معجزات دکھلائے اور دوبارہ آنا قیامت کا نشان ہوگا۔ ان کے نزول سے لوگ معلوم کرلیں گے کہ قیامت بالکل نزدیک آ لگی ہے۔''

(فوائد عثمانی: ص ۶۵۶)

(26) يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (المدثر:۱)

''اے بارانی کوٹ پہن کر کھڑے ہو جانے والے۔'' (تفسیر صغیر: ص ۷۸۲)

جب کہ اس کے درست معنی ہیں: ''اے (محمد!) جو کپڑا لپیٹے پڑے ہو۔''

(27) وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ، اَلَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ (فجر:۱۰-۱۱)

''اور فرعون کے متعلق بھی تجھے کچھ پتہ ہے جو پہاڑوں کا مالک تھا وہ (پہاڑ) جنہوں نے شہروں میں سخت فساد کر رکھا تھا۔''

یہ ترجمہ بھی تحریف شدہ ہے۔

(28) سورۂ فیل میں فرمایا:

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ (فیل:۱۵)

(جو) ان (کے گوشت) کو سخت قسم کے پتھروں سے مارتے (اور نوچتے) تھے۔'' (تفسیر صغیر: ص ۸۴۵)

اس ترجمہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ''چیلیں وغیرہ جب مردوں کے گوشت کھاتی ہیں تو اسی طرح کھاتی ہیں۔ پہلے مردے کی ایک بوٹی اٹھا کر لے جاتی ہیں۔ پھر پتھر پر بیٹھ جاتی ہیں۔ پھر جونچ سے اس بوٹی کو پکڑ کر بار بار پتھر پر مارتی ہیں اور پھر کھاتی ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اگر بوٹی کو مٹی یا ریت وغیرہ لگ گئی ہو تو اس کو دور کر دیں۔

مرزا بشیر الدین نے اپنی تفسیر کبیر: ۱۰/ ۴۵-۴۶ میں بھی لکھا ہے کہ ابرہہ بادشاہ اور اس کے فوجیوں کو چیچک لاحق ہوگئی تھی جس کی وجہ سے وہ سب مر گئے۔ ''ترمیھم بحجارۃ من سجیل'' کا مطلب یہ ہے کہ چیلیں اور کوے وغیرہ پرندے ان کی لاشوں کو نوچتے تھے اور گوشت کے ٹکڑے لے کر

چٹانوں پر بیٹھ جاتے اور بوٹیوں کو سخت پتھروں پر مارتے تھے۔

یہی بات اس نے اپنی تفسیر صغیر میں بھی لکھ دی ہے۔

(29) بعض آیات کا ترجمہ مرزا بشیر الدین نے کسی حد تک درست کیا ہے، لیکن اس کی تفسیر و توضیح میں وہ تاویلات کی ہیں کہ اقبال (مرحوم) کو کہنا پڑا ؎

ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خداو جبرئیل و مصطفٰے را

اس کی مثال سورۃ اللہب ہے۔ اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

''شعلہ کے باپ کے دونوں ہاتھ ہی شل ہو گئے ہیں اور وہ (خود) بھی شل ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے مال نے اس کو کوئی فائدہ نہیں دیا اور نہ اس کی کوششوں نے (کوئی فائدہ) دیا ہے۔ وہ ضرور آگ میں پڑے گا جو (اسی کی طرح) شعلے مارنے والی ہوگی، اور اس کی بیوی بھی جو ایندھن اٹھا اٹھا کر لاتی ہے (آگ میں پڑے گی) اس کی (بیوی کی) گردن میں کھجور کا سخت بٹا ہوا رسہ باندھا جائے گا۔''

پہلے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ''یا تو ابولہب کے رنگ کی طرف اشارہ ہے جو بہت سفید تھا یا اس کی طبیعت کی طرف اشارہ ہے جو بہت غصیلی تھی، یا ہر دشمن اسلام کی طرف اس کی باطنی حالت کی وجہ سے اشارہ ہے، یا امریکہ اور روس کی طرف اشارہ ہے جن دونوں نے اپنے دو دو حلیف بنا چھوڑے ہیں تا کہ بوقت جنگ کام آئیں۔ اور حلیف ہاتھ کا ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ ہاتھ سے بھی مدد یا دفاع کا کام لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ چونکہ یہ دونوں فریق غلطی پر ہوں گے۔ ایک فریق تثلیث پر قائم ہوگا اور دوسرا فریق دہریت پر، اس لیے ہم نے ان دونوں فریق کے دونوں ہاتھوں کو شل کر دیا ہے یعنی ان کے جو بڑے بڑے ساتھی ہیں ان کی تباہی کے سامان پیدا کر دیئے ہیں اور اسی طرح ان دونوں فریق کی اپنی تباہی کے بھی سامان پیدا کر دیئے ہیں۔

شعلہ اور مال پر حاشیہ میں مزید لکھا ہے کہ ''یعنی وہ بڑے مالدار ہوں گے، لیکن ان کا مال ان کو کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ بڑے بڑے سائنٹیفک سامان ان کو حاصل ہوں گے لیکن وہ بھی ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ یعنی وہ آخر میں ضرور دنیوی یا اخروی عذاب میں پڑ کر رہیں گے جو ویسی ہی شعلہ مارنے والی آگ ہوگی جیسا کہ ان کا دل اسلام کے خلاف بغض سے شعلے مارتا ہے۔

''وامرأته حمالة الحطب'' کی تفسیر میں لکھا ہے۔ ''بیوی سے اس جگہ تابع لوگ مراد ہیں یعنی ملکی رعیت اور مطلب یہ ہے کہ جو بیرونی دوست وہ بنائیں گے وہ بھی تباہ ہو جائیں گے اور ان کے اموال بھی تباہ ہو جائیں گے اور سامان بھی تباہ ہو جائیں گے۔ اور رعایا بھی تباہ ہو جائے گی۔ اس وجہ سے کہ رعایا بھی ان کی بھڑکائی ہوئی آگ میں مزید ایندھن ڈالتی جاتی تھی اور ان کو جوش دلاتی جاتی تھی۔

چونکہ یہ جمہوری حکومتیں ہوں گی اس لیے ان کی رعایا اپنے سیاسی سرداروں سے بڑا گہرا جوڑ رکھتی ہوگی۔ ایسا جوڑ جس کو توڑا نہیں جاتا، اس لیے یہاں کھجور کے رسے کا ذکر کیا ہے کیونکہ وہ ٹوٹا نہیں کرتا اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی رعایا ہمیشہ ان کو اکساتی رہے گی کہ لڑائی کے لیے اور سامان پیدا کرو جس کی طرف ''حمالة الحطب'' میں اشارہ ہے۔

مرزا بشیر الدین قادیانی کے ترجمہ قرآن کی یہ چند غلطیاں تھیں جن کو ہم نے اس مقالہ میں بیان کیا ہے۔ اگر ان تمام غلطیوں کی تفصیل بیان کی جائے تو اس کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے ؎

ہر ایک بات زبان پر نہ آسکی باقی
کہیں کہیں سے سنائے ہیں ہم نے افسانے

۲۔ مولوی محمد علی ایم اے کے ترجمہ قرآن کا سرسری جائزہ:

جیسا کہ گذشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ مولوی محمد علی ایم اے نہ صرف انگریزی کے بہت بڑے عالم اور ادیب تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے انگریزی زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ کیا، بلکہ اردو اور عربی میں بھی بہت ماہر تھے اور انہوں نے نہ صرف قرآن حکیم کا اردو زبان میں ترجمہ

کیا بلکہ حدیث کی کتاب بخاری کا ترجمہ بھی کیا۔ یہ مرزا بشیر الدین پڑھے لکھے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا بشیر الدین نے قرآن حکیم کے ترجمہ میں بہت سی غلطیاں بلکہ تحریفات کی ہیں۔ لیکن اس کے مقابلہ میں مولوی محمد علی نے قرآن حکیم نہایت اچھا اور بامحاورہ ترجمہ کیا ہے سوائے ان مقامات کے جہاں مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد پر زد پڑتی تھی کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی سے عقیدت کا دامن تو تا حال بندھا ہوا ہے۔ مولوی محمد علی اگر چہ اس کو حقیقی معنوں میں نبی تو نہیں مانتا، لیکن مسیح موعود اور مجدد اعظم تو مانتا ہے لہٰذا حیات مسیح وغیرہ کے بارے میں جہاں بھی آیات درج ہیں وہاں اس کے معنی وہی لکھے ہیں جو تمام امت کے خلاف مرزا غلام احمد نے لکھے ہیں۔ جس کے بارے میں آئندہ صفحات میں اجمالی طور پر کچھ بیان کیا جائے گا۔

اتنی بات ضرور ہے کہ مولوی محمد علی کا یہ ترجمہ مرزا بشیر الدین قادیانی کے ترجمہ سے بہت بہتر ہے۔ قریباً قرآن حکیم کے ہر لفظ کا عربی میں مأخذ بیان کر کے بتایا ہے کہ لغوی لحاظ سے اس کے معنی یہ ہیں اور اصطلاحی لحاظ سے یہ ہیں، ترجمہ کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ مترجم نے ترجمہ کرنے اور تفسیر میں محنت کی ہے۔ پھر چونکہ مولوی محمد علی جدید اور قدیم دونوں علوم سے آشنا تھا اس وجہ سے جدید نظریات کی بھی اپنی تفسیر اور ترجمہ میں تردید کی ہے۔

اس ترجمہ کی پہلی جلد 1340ھ/ 1921ء میں مطبع کریمی میں ماسٹر فقیر اللہ مہتمم تصنیفات نے طبع کروا کر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے شائع کی۔ اس میں ابتدائے سورۃ الفاتحہ سے آخر سورۃ الانعام تک کا ترجمہ ہے۔ صفحات کی تعداد سات سو اٹھائیس (728) ہے۔

جلد دوم مطبع کریمی میں باہتمام میر امیر بخش طبع ہوئی۔ دوسری جلد ابتدائے سورۃ الاعراف سے اخر سورۃ المومنون تک ہے۔ صفحات کی تعداد 604 ہے۔ اس کی اشاعت 1341ھ 1922ء میں ہوئی۔

جلد سوم 1342ھ 1923ء میں مطبع کریمی لاہور میں باہتمام میر قدرت اللہ طبع ہوئی جو اول سورۃ النور سے آخر سورۃ الناس تک ہے اور 624 صفحات پر مشتمل ہے۔

دوسری بار یہ ترجمہ مولوی محمد علی کی وفات (1951ء) کے اٹھارہ سال بعد 1969ء میں دو جلدوں میں طبع ہوا۔ اس کی طباعت منشی محمد شریف اور منشی غلام جیلانی جو نہایت اچھے کاتب ہیں، ان سے کروائی گئی اور نوائے وقت پرنٹرز، لاہور سے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے اہتمام سے چھپوایا۔ اس کی پہلی جلد 775 صفحات پر مشتمل ہے، جبکہ دوسری جلد 721 پر مشتمل ہے۔ متن قرآن کی کتابت نہایت عمدہ ہے۔ متن کے بالکل سامنے اس کا ترجمہ اور نیچے حاشیہ میں اس کی تفسیر دی ہوئی ہے۔ جلد اور کاغذ اور کتابت تینوں نہایت دیدہ زیب ہیں۔

ترجمہ سلیس ہوتے ہوئے ادبی خوبی بھی لیے ہوئے ہے، لسانی حیثیت سے فصاحت اور شستگی ہے۔ معنوی لحاظ سے ان کے عقائد اور خیالات کی وجہ سے ان کے ترجمے اور تفسیر پر اعتراضات ہیں۔ اگرچہ ترجمہ بہت محتاط ہو کر کیا گیا ہے لیکن مولوی صاحب چونکہ مرزائیوں کی لاہوری شاخ کے امیر تھے اس لیے ان کا ترجمہ غلط عقائد کی ترجمانی سے خالی نہیں ہے، لیکن ترجمہ کرتے وقت نص قرآن اور ترتیب الفاظ کا خیال رکھنے کے باوجود ترجمہ میں روانی اور تسلسل قائم ہے۔ چنانچہ ترجمہ کا نمونہ درج ذیل ہے:

﴿ وَ مَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتُھَا وَ مَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (القصص:۶۰)

''اور جو کوئی چیز تم کو دی گئی ہے تو وہ دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

ایک اور آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا یُؤْتِکُمْ اُجُوْرَکُمْ وَلَا یَسْئَلْکُمْ اَمْوَالَکُمْ﴾ (محمد:۳۶)

''دنیا کی زندگی صرف کھیل اور بے حقیقت چیز ہے، اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ

اختیار کرو وہ تمہارے اجر تمہیں دے گا اور تمہارے مال تم سے نہیں مانگے گا۔''

مولوی محمد علی نے ہر جلد کی شروعات میں فہرست مضامین بیان القرآن دی ہے۔ ان کے ترجمے کا طریقہ یہ ہے کہ سورۃ کا نام لکھنے کے بعد خلاصۂ مضمون لکھتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا تعلق گذشتہ سورت اور آیات سے کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ تاریخ نزول اور ترتیب نزول آیات پر بحث کرتے ہیں۔ تعلق اور ترتیب کے بارے میں تین قسم کے ربط اور تعلق پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اولاً آیات کا باہمی تعلق، ثانیاً ہر سورت کے رکوعوں کا باہمی تعلق اور ثالثاً مختلف سورتوں کا باہمی تعلق۔ اس کے علاوہ ہر رکوع کا خلاصہ اس کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔ سورتوں کے نام میں جو حکمت ہے اس کی بھی مترجم نے تشریح کی ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا خلیفۂ اول حکیم نورالدین بھیروی تھا۔ یہ اچھا خاصا پڑھا لکھا شخص تھا اور اعلیٰ درجہ کا طبیب بھی تھا۔ مرزا قادیانی کی کتابوں میں بھی اس کا بہت دخل ہے۔ یہ شخص مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں بڑا راسخ الاعتقاد تھا۔ چنانچہ جب مرزا صاحب نے اپنی کتابیں فتح اسلام اور توضیح مرام تصنیف کیں اور حکیم صاحب کو یہ دونوں کتابیں ابھی دیکھنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ایک شخص نے حکیم صاحب سے کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی آسکتا ہے؟ حکیم صاحب نے کہا نہیں۔ اس نے کہا کہ اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے تو پھر؟ حکیم صاحب نے کہا تو پھر ہم یہ دیکھیں گے کہ وہ صادق اور راست باز ہے یا نہیں۔ اگر صادق ہے تو اس کی بات کو قبول کریں گے۔ حکیم صاحب نے یہ روایت خود ہی سنائی، اور یہ قصہ سنا کر کہا کہ تو صرف نبوت کی بات کرتا ہے، میرا تو ایمان یہ ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ کریں اور قرآنی شریعت کو منسوخ قرار دیں تو بھی مجھے انکار نہ ہو کیونکہ جب ہم نے واقعی آپ کو صادق اور من جانب اللہ پایا ہے تو اب جو بھی آپ فرمائیں گے وہی حق ہوگا، اور ہم سمجھ لیں گے کہ آیت خاتم النبیین کے کوئی اور معنی ہوں گے (سیرۃ المہدی، مرزا بشیر احمد: ص ۹۸۔۹۹)

حکیم نورالدین کی داستان زندگی کے کئی ابواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے بڑے حصہ میں ذہنی کشمکش میں مبتلا رہے اور شروع ہی سے اس نے بے چین طبیعت پائی تھی۔ اس میں

شروع سے عقل پرستی کا رجحان پایا جاتا تھا۔ پہلے وہ مذاہب اربعہ کی تقلید کی بندش سے آزاد ہوا۔ پھر سرسیّد احمد خان کے لٹریچر سے متاثر ہوا اور سرسیّد دین کے معاملہ بڑے متجدد دین میں تھے۔ حکیم صاحب کے ذہن نے ان کی تعلیمات اور ان کے طرز فکر ونظر کو پورے طور پر جذب کرلیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ برصغیر پاک وہند میں سائنس اور طبیعات کی ابتدائی معلومات اور اس کی نئی تحقیقات نئی نئی آئی تھیں اور برصغیر کا عقلیت پسند طبقہ ان سے بڑا متاثر ہو رہا تھا۔ جو لوگ دینی رجحان اور طبیعت رکھتے تھے وہ دینی حقائق اور قرآن حکیم کے بیانات وتعلیمات کو ان نئی تحقیقات کے ساتھ منطبق کرتے۔ اگر وہ آسانی سے منطبق نہ ہوسکتیں تو قرآن حکیم کی آیات اور الفاظ کی بڑی سے بڑی تاویل اور توجیہہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حکیم نورالدین قادیان میں قرآن حکیم کی تفسیر کا جو درس دیتے تھے وہ اسی طرز فکر اور ذہنی رجحان کا ایک نمونہ تھا۔ مولوی محمد علی ایم اے حکیم نورالدین کے حلقہ درس کے ایک نامور تربیت یافتہ تھے۔ تعلیم جدید سے بھی بخوبی واقف تھے۔ اس لیے ان کی تفسیر بیان القرآن میں حکیم نورالدین اور سرسید احمد خان کا ذہنی اور دینی رجحان نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

مولوی محمد علی نے سرسید کے لٹریچر اور اس کی تفسیر قرآن کو پڑھا اور اس کے فکر کو پورے طور پر جذب کرلیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ حکیم نورالدین کے درس تفسیر اور صحبت نے اس رجحان اور ذوق کو مزید تقویت دی۔ وہ اس طبقہ اور گروہ کے بہترین نمائندہ ہیں جس کو اسلام کے تعلق اور عصر جدید کے سامنے قرآن پیش کرنے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اس کی اشاعت کا شوق تھا لیکن ان کی ذہنی ساخت اور گذشتہ تعلیم وتربیت غیبی حقائق اور ماورائے عقل واقعات کو قبول کرنے میں یک قلم قاصر تھی۔ انہوں نے مشہور نظریات ومسائل کو مسلمات اور بدیہیات کے طور پر تسلیم کرلیا تھا۔ ان کا ذہن، ان کی ثقافت حقیقتاً عالم غیب اور خوارق ومعجزات کو تسلیم کرنے سے ابا کرتی تھی۔ لیکن وہ اپنے نسلی اور دینی لگاؤ کی وجہ سے قرآن حکیم اور اسلام کے نصوص سے بھی دست بردار نہیں ہوسکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے درمیان کی یہ راہ نکالی کہ ان غیبی حقائق اور خوارق ومعجزات اور مافوق الفطرت واقعات کی توجیہ اور تشریح اس طرح کی جائے کہ جدید نظریات اور مسلمات ومعلومات سے وہ متصادم نہ ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے

لیے انہوں نے قرآنی آیات کی تفسیر اور تاویل میں ہر طرح کا تکلف اور ہر طرح کی موشگافی کرنے کے لیے تیار تھے۔ ہر کمزور سے کمزور چیز کا سہارا لینے سے بھی ان کو کوئی عذر نہیں۔ وہ اپنی ان تشریحات اور تاویلات میں اصول تفسیر، زبان وادب کے قواعد اور اہل زبان کے فہم، متقدمین کی تفاسیر، اقوال صحابہ و تابعین غرض ہر اس چیز سے جو اس راہ میں حارج اور قرآن حکیم اور فہم جدید کی تطبیق میں خلل انداز ہو دست بردار ہونے کے لیے تیار تھے، مولوی محمد علی ایم اے کے تفسیری نوٹس اور قرآنی حواشی اس طرز تفسیر کا بہترین نمونہ ہیں۔ اس کی چند ایک مثالیں یہاں ذکر کی جارہی ہیں۔

(1) قرآن حکیم میں سورۃ البقرہ میں فرمایا گیا ہے کہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کے لیے پانی مانگا تو ارشاد ہوا کہ اپنا عصا چٹان پر مارو۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنا عصا چٹان پر مارا تو قدرت خداوندی سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور بنی اسرائیل کے بارہ قبائل نے نہایت آسانی اور آسودگی کے ساتھ اپنی پیاس بجھائی۔ لیکن مولوی محمد علی نے اس آیت کے مجازی معنوں کے لحاظ سے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ''اپنی جماعت کے ساتھ کسی پہاڑ پر چلے جاؤ۔'' اور اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو کسی پہاڑ پر چلے جانے کی ہدایت فرمائی جہاں ان کو بارہ چشمے مل گئے۔ یہ سب تکلفات انہوں نے اس لیے کیے کہ اس معجزہ اور خارق واقعہ کے تسلیم کرنے سے وہ بچ جائیں۔ اور ان کے قارئین کے دل و دماغ پر ایمان بالغیب اور تصدیق معجزات کا بوجھ نہ پڑے۔

(2) ایسے سورہ ہی آل عمران میں سیدنا مسیح علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ میں بطور معجزہ اور دلیل نبوت کے تمہارے سامنے مٹی کے جانور بناتا ہوں اور پھر ان کو پھونک مار کر ہوا میں پرندوں کی طرح اڑاتا ہوں۔ ''اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔'' اس میں بے جان چیزوں میں روح ڈالنے کے معجزہ سے بچنے کے لیے مولوی محمد علی ایم اے نے اس آیت کو تمام تر استعارات پر مشتمل بنا دیا۔ چنانچہ لکھا:

''رنگ استعارہ یہاں غیر سے مراد ایسے لوگ ہیں جو زمین اور زمینی چیزوں سے اوپر اٹھ کر خدا کی

طرف پرواز کر سکیں، اور یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ کس طرح نبی کے نفخ سے انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ زمینی خیالات کو ترک کر کے عالم روحانیت میں پرواز کرے۔" (بیان القرآن: ۱/ ۲۱۵۔۲۱۶)

یہ ہے مختصر سا جائزہ قادیانیوں کے مشہور دو ترجموں کا جن میں سے ایک قادیانی فرقے کا ہے اور دوسرا لاہوری فرقے کا اور دونوں ہی ان فرقوں کے امیروں کے لکھے ہوئے ہیں۔ مرزا بشیر الدین مرزا غلام احمد کا خلیفہ ثانی تھا جب کہ مولوی محمد علی ایم اے لاہوری فرقہ کا امیر تھا۔

☆☆☆